© rasailojaraid.com

اسلامی دارالافتاء اور منصبِ مفتی

ایک تحقیقی مطالعہ

(قسط ۳)

ڈاکٹر نور احمد شاہتاز - (کراچی یونیورسٹی)

مستفتی کو کوئی ایسا مسئلہ دریافت نہ کرنا چاہیئے جو فی الواقع پیش ہی نہ آیا ہو یا نادر الوقوع ہو، یا دور از کار ہو۔ اسی طرح ایک عام مستفتی کو کسی ایسی چیز کے بارے میں نہ پوچھنا چاہیئے جو اس کے فہم و ادراک سے بالاتر ہو، اور اگر وہ اس قسم کے سوالات میں الجھے الجھاتے تو مفتی کو چاہیئے کہ وہ اس کے سوال سے صرف نظر (IGNORE) کرے اور اسے کوئی جواب نہ دے۔ ہاں اگر مستفتی کا مقصد اس سوال سے ایسے معاملات کا علم حاصل کرنا ہو جو اسے پیش نہیں آتے مگر وہ انہیں تحصیل علم اور تفقہ کی نیت سے اور اس خیال سے جاننا چاہتا ہے کہ جب کبھی اس طرح کے معاملات پیش آئیں تو پہلے ہی سے وہ جواب جانتا ہو یا اس سے ملتے جلتے مسائل پر ان جوابات کا اطلاق کر سکے تو مستفتی کو کافی و شافی جواب دیا جائے گا۔

اگر سوال کا سبب پیچیدہ مسائل یا متشابہات ہوں جس سے مستفتی کے ذہن میں شبہات نے جنم لیا ہو اور اس کا ارادہ ان شبہات کے ازالہ کا ہو جن میں اس کا ذہن الجھ کر رہ گیا ہو تو اس صورت میں مفتی کو چاہیئے کہ وہ انتہائی شفقت سے مستفتی کا ذہن صاف کرے اور ایسا اسلوب اختیار کرے جو مستفتی کے ذہن اور عقل کو اپیل کرے کیونکہ مخلوقِ خدا کی ہدایت اہل علم پر فرض ہے جیسا کہ القرانی نے کہا (۴۳) کہ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

جہاں کہیں بھی جواب کی مصلحت راجح ہو وہی اولیٰ ہے جیسا کہ ابن القیم نے بھی کہا ہے۔

سوال کیسے (Put-up) کیا جائے:

اگر مستفتی پر کوئی آفت ایسی آن پڑے جس کا حل وہ شریعت کے حکم سے چاہتا ہو اور اس کے شہر میں کئی مفتی ہوں اور وہ تمام مفتیوں کے جوابات ایک ہی کاغذ پر حاصل کرنا چاہے تو اسے چاہیے کہ وہ ایک بڑے سائز کا کاغذ لے جس پر تمام مفتیوں کے جوابات لکھے جا سکیں۔ پھر ادب واحترام کا تقاضا یہ ہے کہ وہ جوابات کے سلسلہ میں سب سے پہلے عمر رسیدہ اور جہاں دیدہ صاحبِ علم سے رجوع کرے پھر ان کے بعد درجہ بدرجہ دیگر مفتی صاحبان کے پاس اپنا سوال لے جائے اور اگر وہ متعدد کاغذوں پر مختلف مفتیوں کی آراء وفتاویٰ حاصل کرنا چاہتا ہو تو پھر سوال کی نقول جسے چاہے پہلے بھیج دے اور جس کے پاس چاہے بعد میں لے جائے البتہ کاغذ اتنا بڑا ہو کہ سوال کے بعد اس پر مفتی مکمل فتویٰ تحریر کر سکے۔

سائل یا مستفتی کو چاہیے کہ وہ اپنا سوال اس انداز سے لکھے کہ اس سے اس کا مطلب پوری طرح واضح ہو اور جس مقصد کے لئے اس نے سوال لکھا ہے وہ پورا ہو سکے، اسی طرح الفاظ واضح اور جلی قلم سے لکھے ہوں ان میں کوئی پیچیدگی اور ہیر پھیر نہ ہو۔ اگر سائل ایک عام سا شخص ہو تو اسے چاہیے کہ وہ اپنا سوال کسی ایسے شخص سے لکھوائے جو پڑھا لکھا ہو تاکہ سوال خوش اسلوبی سے لکھا اور پیش کیا جا سکے۔ (۴۴)

جواب کیسے مرتب کیا جائے:

سائل کے سوال کی حدود اور حاجت کے مطابق جواب دیا جائے اور سوال کی عبارت میں کوئی اضافہ کیا جائے نہ اس کے موضوع میں۔ جواب مختلف اقوال اور اختلافات

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کے ذکر سے خالی ہونا چاہیئے کیونکہ مختلف اقوال ذکر کرنے سے مستفتی کے ذہن میں تشویش پیدا ہوگی اور وہ یہ نہ سمجھ سکے گا کہ کس قول پر عمل کرے۔ جواب دو ٹوک، واضح اور حصول مقصد کے لئے کافی ہونا چاہیئے کہ اس کے ساتھ کسی اور بات کی ضرورت نہ رہے (۴۵) اگر مستفتی نے صرف رہنمائی کی خاطر سوال کیا ہو تو اس کے سوال کا صرف مختصر جواب ہی کافی ہوگا۔ اس کے ساتھ دلائل اور حوالہ جات نقل کرنے کی ضرورت نہیں۔ ہاں اگر یہ توقع ہو کہ جواب پر اعتراض یا اشکال وارد ہوگا تو پھر دلائل اور حوالہ جات جواب کے اندر ہی ذکر کرنے چاہئیں تاکہ جو کوئی حقیقت امر جاننا چاہے وہ حق اور صواب جان لے (۴۶) الصیمری نے کہا ہے "اگر کوئی عام آدمی سائل ہو تو دلیل ذکر کرنے کی ضرورت نہیں اور اگر کوئی پڑھا لکھا سوال کرے تو دلیل ذکر کر دی جائے (۴۷)

القرافی نے کہا ہے کہ جب استفتا کسی بڑے واقعہ سے متعلق ہو جو دین کے کسی اہم معاملہ یا مسلمانوں کے مفاد سے تعلق رکھتا ہو تو مفتی کو چاہیئے کہ وہ مفصل جواب لکھے، اور حق واضح کرنے کے لئے مبالغہ سے کام لے اور فوراً سمجھ میں آنے والے دلائل ذکر کرے تاکہ فوائد حاصل اور مفاسد دور ہوں اور ایسے دلائل ذکر کئے جائیں جو شرعی/ قانونی مفادات کو تحفظ فراہم کریں، مذکورہ صورت کے علاوہ اس قسم کا جواب لکھنے کی ضرورت نہیں۔ (۴۸)

ابن القیم کہتے ہیں کہ جواب میں دلیل اور اس کے حوالہ جات کا حتی الامکان ذکر ہونا چاہیئے اور مستفتی کو بالکل روکھا اور پھیکا اور بلا دلیل و حوالہ فتویٰ نہ دینا چاہیئے اس رائے پر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعض فتاویٰ سے استدلال کیا گیا ہے۔ (۴۹) ابن القیم کا کہنا ہے کہ مفتی کو سائل کے سوال سے زیادہ جواب دینا جائز ہے (۵۰) اور انہوں نے اس پر صحیح بخاری کے ایک ترجمۃ الباب سے استدلال کیا ہے جو حسب

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ذیل ہے:

"باب من اجاب السائل باکثر مما سأل عنہ" یعنی سائل کو سوال سے زیادہ جواب دینا:

رہا معاملہ یہ کہ جواب کیسے لکھا جائے تو پہلی بات تو یہ ہے کہ جواب لکھتے وقت یہ خیال رکھا جانا ضروری ہے کہ جواب میں کسی اور کی طرف سے کسی اضافہ کی گنجائش نہ چھوڑی جائے کیونکہ ہو سکتا ہے کہ کوئی شخص اس جواب میں اپنی طرف سے ایسا اضافہ کر دے جو اس جواب کے برعکس ہو یا گمراہ کن ہو، چنانچہ جواب کی تحریر میں نہ تو بین السطور کوئی جگہ چھوڑی جائے اور نہ کوئی نقص رہنے دیا جائے اور مفتی کو ایک ہی قلم اور خط سے فتویٰ تحریر کرنا چاہیئے کیونکہ خط بدلنے یا قلم بدلنے سے کسی کو فتویٰ میں جعل سازی و تزویر کا موقع مل سکتا ہے۔ خط واضح ہونا چاہیئے نہ زیادہ باریک نہ زیادہ بڑا کہ پڑھنے والے کو دشواری ہو یا ناگوار گزرے۔ (۵۱)

القرافی کہتے ہیں کہ اس طرح کی احتیاطی تدابیر کرنا ضروری ہے اور کسی قسم کی بدظنی جعل سازی وغیرہ کے راستے مسدود کرنا عمدہ اسلوب ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے: "دع ما یریبک الیٰ ما لا یریبک" (۵۲)

مفتی کسی قسم کا اضافہ کر سکتا ہے؟:

اگر مستفتی یا سائل کا سوال ایسا عجیب ہو کہ جو غیر مانوس سا ہو تو مفتی کو یہ حق نہیں کہ وہ ایک دم سے سائل کو ٹکا سا جواب دیدے بلکہ اسے چاہیئے کہ وہ پہلے مقدمہ کے طور پر تمہید باندھے تاکہ سائل جواب سمجھنے اور اسے قبول کرنے کی پوزیشن میں آجائے اور اس جواب پر عمل کرنے کو ذہنی طور پر تیار ہو جائے (۵۳) اگر سوال کا جواب ایسا ہو کہ جس سے سائل کے غلط فہمی میں مبتلا ہونے کا اندیشہ ہو تو مفتی کو چاہیئے کہ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

وہ سائل کو متنبہ (خبردار) کرے تاکہ اس کا خیال اور ذہن غلط فہمی کی جانب نہ جائے (۵۴)
اگر سائل کے سوال میں کسی نص قرآن وسنت کا حوالہ دیا گیا ہو تو مفتی کو چاہیئے کہ وہ اپنے فتویٰ میں بھی اس نص کو نقل کرے اور جہاں تک ممکن ہو نص کے الفاظ ذکر کر دے کیونکہ جو نص بھی شارع کے حوالہ سے ذکر ہوئی ہوگی اس میں کسی حکم کا بیان ہوگا۔ علاوہ ازیں اس میں حکم اور دلیل مذکور ہوں گے جو کہ موقع کی مناسبت سے ہوں گے اور ظاہر ہے کہ کسی بھی موضوع پر مذکور نص خطا، تناقض اور اضطراب سے پاک ہوتی ہے۔ (۵۵)

اگر سائل نے کسی خاص مسئلہ کے بارے میں سوال کیا ہو اور مفتی یہ محسوس کرے کہ اس کے سوال کو مزید اہم اور سود مند بنانے کے لئے اس میں کچھ اضافہ ضروری ہے تو وہ اپنے جواب میں اس طرح اضافہ کرے کہ سائل کا سوال بھی ضمناً آجائے اور جواب مفصل، جامع اور مفید تر ہو جائے۔ اگر اس طرح کیا جائے تو یہ فتویٰ کے کمالات میں سے اور مفتی کے ذی علم ہونے کی دلیل و علامت ہوگا، اسی طرح یہ اس بات کی بھی دلیل ہوگا کہ مفتی خیر خواہ ہے اور سائل کو اس نے بڑی خوش اسلوبی سے مطمئن کیا ہے، اس سلسلہ میں جو عمدہ مثال پیش کی جا سکتی ہے وہ اللہ تبارک وتعالیٰ کا یہ ارشاد ہے۔ جو ایک سوال کو بیان کرنے کا بہترین انداز ہے۔ فرمایا:

"یسئلونک ماذا ینفقون" اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم لوگ آپ سے سوال کرتے ہیں کہ وہ کیا خرچ کریں گے؟

پھر اس کا جواب دیتے ہوئے فرمایا: "قل ما انفقتم من خیر فللوالدین والاقربین والیتامیٰ والمساکین وابن السبیل وما تفعلوا من خیر فان اللہ بہ علیم" اے نبی (صلی اللہ علیہ وسلم) آپ فرما دیجیے کہ حسن سلوک

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کے طور پر تم جو مال بھی خرچ کرو تو وہ ماں باپ قریبی رشتہ داروں، یتیموں، محتاجوں اور مسافروں کا حق ہے اور تم جو نیکی کرو تو بے شک اللہ اسے خوب جانتا ہے :

انداز جواب اور اسلوب دیکھئے کہ صرف اتنا بتادینے کی بجائے کہ مسلمان کیا خرچ کریں؟ وہ تمام مصارف بھی بیان کر دیئے کہ جہاں جہاں مسلمانوں کو خرچ کرنا چاہیئے اور اس مخصوص سوال کا جواب بھی اللہ نے مختصراً اس طرح دے دیا " قل العفو" آپ فرما دیجئے "جو آسان ہو"

منصب افتار اور علمار کرام :

اللہ رب العزت نے اپنی کتاب عزیز میں ارشاد فرمایا ہے : " یرفع اللہ الذین آمنوا منکم والذین اوتوا العلم درجات " تم میں سے جو ایمان لائے اور جن کو علم دیا گیا۔ اللہ ان کے درجات بلند فرمائے گا۔

نیز فرمایا : " ترفع درجات من نشاء وفوق کل ذی علم علیم : ہم جس کو چاہتے ہیں درجات بلند کر دیتے ہیں اور ہر علم والے کے اوپر اس سے بھی زیادہ علم والا ہے۔

مختلف عصور و ممالک میں علمار کرام جن مختلف درجات پر فائز رہے ہیں ان کے اعتبار سے اسلام کی تاریخ افتار مفتیوں کے کئی ایک نمونے پیش کرتی ہے اور اس کی وجہ مختلف ادوار میں فکر اسلامی میں انقلابات اور مد و جزر کا آنا ہے۔

پہلا نمونہ :۔ فقیہ کا نمونہ ہے، ایک ایسا فقیہ جو اجتہاد کے تمام امور و معاملات سے آگاہ اور واقف ہے، اللہ کی کتاب اور سنتِ رسول کا عالم ہے، جو احکام میں اجتہادِ مطلق کا امین ہے، اور اس کا اجتہاد شریعت کے عام و خاص

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اجمالی وتفصیلی دلائل سے عبارت ہے۔ یہ ایک ایسا نمونہ ہے جسے مثالی اور درجۂ اول کا نمونہ کہا جاسکتا ہے جو مجتہدین کو حاصل ہے جیسے آئمہ مذاہب اور فقہی مذاہب کے بانی علمار کرام۔

دوسرا نمونہ :۔ ایسے فقیہ کا نمونہ ہے جو مشہور فقہی مذاہب میں سے کسی ایک مذہب کو اختیار کرتا ہے پھر اپنے امام مذہب کی رائے کے مطابق ہی اجتہاد و فتویٰ کے راستہ پر گامزن ہے۔ اسے اس بات کا یقین کامل ہے کہ اس کے امام نے جو کچھ کہا وہ صحیح اور اس نے جو اصول وقواعد مرتب کئے وہ اصح ترین ہیں۔ اگر اس کے پاس کوئی ایسے مسائل آجاتے ہیں جن میں اس کے امام کا کوئی قول یا رائے نہ ہو تو وہ از خود اس میں اجتہاد سے نہیں گھبراتا بلکہ قیاس کے ذریعہ وہ اپنے امام کے اقوال کی روشنی میں نتیجہ تک پہنچ جاتا ہے کیونکہ اسے اپنے امام کا نکتہ نظر اور دلائل معلوم ہوتے ہیں۔ یہ نمونہ دوسرے درجہ میں ہے اور یہ بھی مجتہدین کے درجہ میں ہے جو ایک مذہب کے پابند اور اس میں رہتے ہوئے اجتہاد کرتے ہیں

تیسرا نمونہ :۔ یہ ایسے فقیہ کا نمونہ ہے جو اپنے امام مذہب کے اقوال وفتاویٰ اور ان پر اس کے دلائل پر قائم ہے۔ وہ کسی مسئلہ میں اس سے اختلاف نہیں کرتا اور کسی بھی مسئلہ میں اگر اسے امام کی رائے مل جائے تو اسے ترجیح دیتا ہے اور خود سے مسئلہ میں تحقیق کرنے کے چکر میں نہیں پڑتا بلکہ اسی پر اکتفا کرتا ہے اور اس کا متبادل تلاش نہیں کرنا چاہتا کیونکہ وہ اپنے امام کے استنباط کردہ مسائل کو کافی سمجھتا ہے یہ نمونہ تیسرے درجہ میں آتا ہے۔ یہ اجتہاد اور تقلید کا درمیانی درجہ ہے۔

چوتھا نمونہ :۔ یہ ایسے فقیہ کا نمونہ ہے جسے متفقہ فی المذہب کہا جاتا ہے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اور جو اپنے اوپر تقلید محض کو لازم کئے ہوئے ہے وہ امام اور اس کے اصحاب کے اقوال و فتاویٰ پر انحصار کرتا ہے اور امام مذہب کے بیان کردہ مسائل کو اصول و فروع میں پیش کرتا ہے، جب کبھی اس سے کسی مسئلہ میں بات کی جائے اور اس کے سامنے کوئی دلیل پیش کی جائے تو وہ یہ کہکر رد کر دیتا ہے کہ امام (فلاں) ہم سے زیادہ بہتر جانتے تھے اور ہم تو ان کی تقلید کرتے ہیں۔ اور ان کے فیصلوں سے تجاوز نہیں کرتے۔ یہ نمونہ چوتھے اور آخری درجہ میں ہے۔ (۱۵)

اس تجزیہ سے ثابت ہوا کہ مفتئ مقلد جو محض تقلیدِ محض پر قائم ہو۔ وہ دراصل حقیقی مفتیوں میں سے نہیں بلکہ ان کا قائم مقام ہے اور ان کی نیابت کا فریضہ انجام دینے کی وجہ سے مفتیوں میں شمار ہے، درحقیقت وہ اپنے امام اور مستفتیوں کے درمیان ایک واسطہ ہے۔ ابن القیم کہتے ہیں: "ان کے علاوہ اگر کوئی فقیہ ہے تو وہ ایک تھرڈ کلاس خودساختہ مفتی ہے جس نے اپنے آپ کو کام کے بندوں سے دور رکھا اور علماء کے درجہ تک پہنچنے میں کامیاب نہ ہو سکا۔ ایسا شخص جاہلوں میں سے ایک ہے۔"

مفتئ مقلد کس مذہب پر فتویٰ دے!

مذہبی امور پر غور کریں تو معلوم ہوگا کہ متفق علیہ یا مختلف فیہ مذہبی مسائل جو مدون یا مرتب ہو چکے ہیں حکم کے اعتبار سے پانچ طرح کے ہیں:

۱۔ ایسے مسائل جن میں اثباتِ حکم پر اتفاق ہے۔

۲۔ ایسے مسائل جن میں اکثر کے حکم کا اثبات اور کم کی نفی ہے۔ اور وہ مذہب مشہور کہلاتا ہے پھر جس میں دلیل قوی ہو وہ راجح قرار پاتا ہے۔

۳۔ ایسے مسائل، جن میں اثبات اور نفی کے دو قول ہوں اور برابر حیثیت کے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

۴۔ ایسے مسائل جن میں اثبات کا حکم کم اور نفی کا زیادہ ہو ایسے مسائل کو مرجوح کہتے ہیں جو راجح اور مشہور کے مقابل ہے۔

۵۔ ایسے مسائل جن میں ایک یا دو نے اثبات کا حکم لگایا ہو اور باقیوں نے نفی کا۔ اسے شاذ کہتے ہیں۔

ان پانچ اقسام میں سے معاملات اور حقوق العباد میں فتویٰ دینا جائز ہے۔ بشرطیکہ قولِ متفق علیہ قولِ مشہور یا راجح ہر طرح سے برابر نوعیت کے ہوں اور ان میں ترجیح ممکن نہ ہو تو دو قولوں میں سے کسی ایک کے مطابق فتویٰ دیا جاسکتا ہے اور مرجوح قول پر صرف کسی ضرورت یا مصلحت کی بناء پر فتویٰ دیا جا جاسکتا ہے یا کسی امام کے کسی قول کی پہلے سے قائم ترجیح کے مطابق فتویٰ دیا جاسکتا ہے۔

قول شاذ پر فتویٰ نہیں دیا جاسکتا۔ اور اگر کوئی قول شاذ پر فتویٰ دے تو اس سے باز پرس کی جائے گی الّا یہ کہ عدلیہ کے قاضی حضرات اور مفتی کے منصب پر فائز اہلِ علم اس بات کی تصدیق کریں کہ قول شاذ پر دیا گیا فتویٰ مخصوصہ قابلِ عمل ہے۔ ایسی صورت میں یہ فتویٰ قول مشہور سے بھی مقدم ہوگا۔ باوجودیکہ بنیادی طور پر وہ قول شاذ پر ہے۔ بشرطیکہ یہ ہے کہ تصدیق کنندگان ایسے عادل اور ثقہ اہلِ علم ہوں جن کی فقہی امور میں پیروی کی جاتی ہو اور جنہیں فقہی معاملات کا خاصا تجربہ ہو، جب کبھی بھی قولِ شاذ پر دیئے گئے فتویٰ کو ناقابل عمل یا منسوخ قرار دیا جائے گا تو خود بخود اس کے تمام دلائل بھی ناقابل عمل ہوں گے اور لائق اعتبار نہ رہیں گے اور قول مشہور کی طرف از سر نو رجوع کرنا ہوگا۔ (۵۸)

التسولی نے القرافی کا ایک قول بیان کیا ہے کہ مجتہد کو قولِ راجح کے سوا فتویٰ دینا جائز نہیں جبکہ مقلد کے لئے جائز ہوگا کہ وہ اپنے مذہب میں قول مشہور پر فتویٰ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

دے اگرچہ وہ قول خود اس کی نظر میں راجح نہ ہو۔ یہ اس لئے کہ اس پر اپنے امام کی پیروی لازمی ہے۔ البتہ ابن القیم کا خیال ہے کہ مفتی کو یہ حق نہیں کہ وہ اپنے اعتقاد اور یقین کے خلاف فتویٰ دے البتہ صحیح اور صواب یہ ہے کہ وہ اپنے مذہب کے قولِ راجح ہی کو بیان کرے کیونکہ اس پر عمل کرنا ہی اولیٰ اور افضل ہے۔ (۵۹) امام الجوینی نے کہا ہے کہ کسی مفتی کو اپنے امام مذہب کے قول کے بغیر فتویٰ دینا جائز نہیں۔ ہاں مگر یہ کہ وہ کسی دوسرے مذہب میں بھی ید طولیٰ رکھتا ہو اور اس کے تمام اسرار ورموز سے واقف وآگاہ ہو۔ (۶۰)

اگر کسی مفتی نے فتویٰ دیا اور فتویٰ صادر ہو جانے کے بعد اس پر واضح ہوا کہ یہ اس کے امام مذہب کی نصوص کے خلاف ہے تو مقلد ہونے کی صورت میں اسے فوراً اس سے رجوع کر لینا چاہیئے کیونکہ اس کے امام مذہب کی بات اور دلیل اس کے لئے وہی حکم رکھتی ہے جو کسی مجتہد بالذات کے لئے نصِ شارع (۶۱) ہاں اگر اس پر یہ واضح ہو جائے کہ اس کے امام کی رائے مخالف نص اور اجماع ہے۔ یا قیاسِ جلی کے خلاف ہے تو ایسی صورت میں امام کی رائے پر فتویٰ دینا حرام ہے اور اس سے اس کے امام کی شان میں کوئی کمی بھی واقع نہیں ہوتی۔ کیونکہ اجتہاد میں خطا واقع ہونے سے گناہ لازم نہیں آتا جیسا کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے۔ "حاکم اگر اجتہاد کرے اور اس میں غلطی کر بیٹھے جب بھی اسے ایک اجر ملتا ہے اور اگر وہ اجتہاد کرے اور صحیح حل تک پہونچنے میں کامیاب ہو جائے تو اس کے لئے دوہرا اجر ہے" (۶۲)

تاہم ایسی معمولی باتیں جن کے بارے میں مذہب (مخصوص) میں کوئی نص نہ ہو تو ان میں پہلی بار ہی تحقیق کرنا ہوگی اور مفتی کے لئے امام یا اس کے اصحاب کے اقوال منصوصہ سے ہٹ کر بحث وتحقیق اور تخریج جائز ہوگی جبکہ اسے اپنے امام مذہب

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کے قواعد و ضوابط کا علم ہو اور ان تمام دلائل و قیاسات سے واقف ہو جن سے امام مذہب نے کام لیا ہے، اور اگر اس میں یہ استعداد نہ ہو تو پھر بلا وجہ وہ اس بکھیڑے میں نہ پڑے جس کا وہ اہل نہیں۔ القرافی کہتے ہیں:" مفتی کو چاہیئے کہ اگر اس کے سامنے کوئی ایسا مسئلہ آجائے جس کے بارے میں نص نہ ہو تو اسے چاہیئے کہ وہ اجماع کے قواعد پر غور و فکر کرکے دیکھے کہ اس کی جو صورت نکلتی ہوئی نظر آئی ہے اس میں اور اصل میں کیا فرق ہے؟ اگر اسے معلوم ہو کہ اصل اور صورتِ مخرجہ میں بہت زیادہ فرق واقع ہو رہا ہے تو تخریج مسئلہ سے اجتناب کرے کیونکہ قیاس مع الفارق باطل ہے جس طرح کسی مجتہد کے لئے قواعد شرع پر قیاس مع الفارق ممنوع ہے اسی طرح کسی مقلد کا قیاس مع الفارق درست نہیں کسی مفتی کے لیے جائز نہیں کہ وہ کسی غیر منصوص کو منصوص پر مقدم جانے یا ترجیح دے ماسوائے اس صورت کے کہ اسے اپنے مذہب کے قواعد اور اجماع کے ضوابط پر کامل دسترس ہو(۴۳)

(جاری)

حواشی

(۴۳) القرافی۔ الاحکام، ص ۲۸۲، ۲۸۳ ابن القیم، الاعلام ج ۴ ص ۱۹۳، النووی المجموع ۱ ص ۴۴

(۴۴) النووی۔ المجموع۔ ج ۱ ص ۵۔

(۴۵) ابن القیم۔ الاعلام۔ ج ۴ ص ۱۵۴

(۴۶) القرافی۔ الاحکام۔ ص ۲۵۷، ۲۶۶، ۲۶۸

(۴۷) النووی۔ المجموع، ج ۱ ص ۵۲

(۴۸) القرافی، الاحکام۔ ص ۲۶۹

(۴۹) ابن القیم۔ الاعلام۔ ج ۴ ص ۱۴۰، ۱۴۱

(۵۰) ایضاً ج ۴ ص ۱۳۸

(باقی صـ ۳۲ پر)

© rasailojaraid.com